

اسلامی عقیدہ کا مختصر

تعارف

تالیف:

فضیلۃ الشیخ علامہ محمد بن

صالح العثیمین

اللہ تعالیٰ ان کی ، ان کے والدین اور تمام

شركاء التنفيذ:



المحتوى الإسلامي



رواد الترجمة



جمعية الربوة



دار الإسلام

يتاح طباعة هذا الإصدار ونشره بأي وسيلة مع
الالتزام بالإشارة إلى المصدر وعدم التغيير في النص.



Telephone: +966114454900



ceo@rabwah.sa



P.O.BOX: 29465



RIYADH: 11557



www.islamhouse.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ وَأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مَضَلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضَلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَعَلَى آلِهِ، وَأَصْحَابِهِ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ، وَسَلَّمْ تَسْلِيمًا.

أما بعد :

”علم توحید“ یقیناً تمام علوم میں انتہائی عالی مرتبت، انتہائی جلیل القدر اور حد درجہ مرغوب و مطلوب علم ہے، کیوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء و صفات اور بندوں پر اس کے حقوق کی پہچان ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ ”علم توحید“ ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے راستہ کی چابی اور اس کی تمام شریعتوں کی بنیاد ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ توحید کی طرف دعوت دینے پر تمام رسولوں کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اور ہم نے آپ سے پہلے ایسا کوئی رسول نہیں بھیجا، جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، پس میرے ہی عبادت کیا کرو“۔ [الانبیاء:25]۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی وحدانیت پر گواہی دی ہے، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اہل علم حضرات نے بھی اس امر کی گواہی دی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے علاوہ کوئی برحق معبود نہیں“۔ [آل عمران:18]۔

توحید کے اس بلند و بالا مقام و مرتبے کی وجہ سے ہر مسلمان پر اس کا سیکھنا، دوسروں کو سکھانا، اس میں تدبیر کرنا، اور اس کا اعتقاد رکھنا لازم اور ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے دین کو اطمینان، تسلیم و رضا اور صحیح بنیاد پر استوار کر سکے اور تاکہ وہ اس کے ثمرات و نتائج سے بہرہ ور ہو سکے۔

واللہ ولی التوفیق

مؤلف

دینِ اسلام:

دینِ اسلام وہ دین ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اس کے ساتھ سابقہ ادیان کا خاتمہ کیا اور اسے اپنے بندوں کے لیے مکمل ترین دین بنایا اور اس کے ذریعے ان پر اپنی نعمت کو مکمل فرمایا اور ان کے لیے اسے بطور دین پسند کیا، لہذا اس کے نزدیک اس کے سوا کوئی اور دین ہر گز مقبول نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”تمہارے مردوں میں سے محمد ﷺ کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“ [الأحزاب:40]۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد یوں ہوا ہے: ”آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت بھی تم پر پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے ”اسلام“ کو بطور دین پسند کر لیا ہے۔“ [المائدة:3]۔ اور فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں (پسندیدہ) دین صرف اسلام ہے۔“ [آل عمران:19]۔ مزید ارشاد ہوتا ہے: ”اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ و گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“ [آل عمران:85]۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر اپنے اسی دین کو اختیار کرنا فرض قرار دیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشادِ الہی ہوتا ہے: ”آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک اور بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، پس اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے امی (ان پڑھ) نبی پر ایمان لاؤ جو اللہ، اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتا ہے اور اس (نبی) کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پا سکو۔“ [الأعراف:158]۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت میں سے جس کسی نے خواہ یہودی ہو یا عیسائی میری بابت سنا

پھر وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مرگیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ یقیناً اہل جہنم میں سے ہے۔“

دینِ اسلام پر ایمان : دینِ اسلام پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بطور دین نازل ہوا ہے نہ صرف اس کی تصدیق کرنا بلکہ (دل سے) اسے قبول کرنا اور اس کی پیروی کرنا۔ اسی لئے ابو طالب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سے نہ ہو سکے، اس کے باوجود کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوئے دین کی تصدیق کرنے والے تھے، اور اس بات کی گواہی بھی دیتے تھے کہ یہ دین تمام دینوں سے بہتر ہے۔

دینِ اسلام ان تمام مصلحتوں کو متضمن ہے جو سابقہ ادیان میں موجود تھیں۔ نیز ان ادیان کے بالمقابل اس دین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر زمانہ، ہر جگہ اور ہر امت کے لیے درست اور قابلِ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول (ﷺ) کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے : ”اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف ایک ایسی کتاب بازل کی ہے جو خود بھی سچائی کے ساتھ موصوف ہے، اور اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے، اور ان کی محافظ ہے۔“ [المائدة:48]۔

دینِ اسلام کے ہر دور، ہر جگہ اور ہر امت کے لیے درست ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس دین کے ساتھ مضبوط تعلق کسی بھی زمانہ، مقام اور قوم کی مصلحتوں کے منافی نہیں ہو سکتا بلکہ اسی میں ان کی بہتری اور صلاح ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ دین ہر دور، ہر جگہ اور ہر قوم کا تابع اور فرمانبردار ہے، جیسا کہ بعض کج فہم لوگ سمجھتے ہیں۔

دینِ اسلام ایک سچا اور برحق دین ہے، جو اس کے دامن کو کماحقہ تھام لے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اور غالب کرنے کی ضمانت دی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اللہ وہی ذات ہے جس نے اپنے

رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔“ [الصف:9]۔
 نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”تم میں سے، ان لوگوں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں، اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ ان کو زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو خلافت عطا کی تھی، اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس کو ان کے لیے قوت بخشے گا، اور ان کے خوف و خطر کو امن و امان میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھرائیں گے اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔“ [النور:55]۔

دین اسلام عقیدہ اور شریعت پر مشتمل ہے اور وہ دونوں کے اعتبار سے ایک مکمل دین ہے (جو کہ مندرجہ ذیل احکامات پر مبنی ہے):

(1) اللہ تعالیٰ کی توحید کا حکم دیتا ہے اور شرک سے منع کرتا ہے۔

(2) صدق اور راست بازی کا حکم دیتا ہے اور کذب بیانی سے منع کرتا ہے۔

(3) عدل کا حکم دیتا ہے اور ظلم و جور سے منع کرتا ہے۔ عدل کا معنی متماثل (یعنی ایک جیسی) اشیاء کے درمیان برابری اور غیر متماثل (یعنی مختلف) اشیاء کے درمیان فرق کرنا ہے۔ لہذا عدل سے مراد محض برابری نہیں جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ دین اسلام صرف دین مساوات (یعنی برابری کا مذہب ہے) کیوں کہ مختلف اشیاء کے درمیان برابری صریحاً ظلم ہے جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں اور نہ ہی اس کا قائل لائقِ حمد و ستائش ہے۔

(4) امانت کا حکم دیتا ہے، اور خیانت سے روکتا ہے۔

(5) ایفائے عہد (یعنی وعدہ پورا کرنے) کا حکم دیتا ہے اور دھوکہ دہی اور بد عہدی سے منع کرتا ہے۔

(6) والدین کے ساتھ احسان اور بھلائی کا حکم دیتا ہے اور ان کی نافرانی سے منع کرتا ہے۔

(7) قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور قطع رحمی سے روکتا ہے۔

(8) پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور ان کے ساتھ بد سلوکی سے منع کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ”اسلام“ جملہ تمام اخلاق حسنہ اپنانے کا حکم دیتا ہے اور تمام برے اخلاق سے روکتا ہے، ساتھ ہی ہر اچھے عمل کا حکم دیتا ہے اور تمام برے اعمال سے روکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل و احسان کرنے اور قرابت داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش باتوں، بری عادات، نیز سرکشی سے منع فرماتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ) تم کو اس لیے نصیحت کرتا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔“
[النحل:90]۔

ارکانِ اسلام

ارکانِ اسلام سے مراد وہ پانچ بنیادیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ ان کا تذکرہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں موجود ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: یعنی اللہ کی ہی کی صرف عبادت کرنا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ماہِ رمضان کے روزے رکھنا اور (بیت اللہ کا) حج کرنا۔“ ”ایک شخص نے ”حج“ کو مقدم اور ”رمضان کے روزوں“ کو موخر کرتے ہوئے یوں روایت بیان کی: ”والحج و صیام رمضان“ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یوں نہیں بلکہ ”صیام رمضان والحج“ ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی ترتیب کے ساتھ فرماتے ہوئے سنا ہے۔“

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں: تو اس کا معنی یہ ہے: اس گواہی کا مکمل اور یقینی اعتقاد رکھنا اور زبان سے اس گواہی کو ادا کرنا یعنی گواہی دینے والے کی گواہی میں اس قدر یقین اور پختگی ہونی چاہیے کہ گویا اس نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور یہ شہادت ایک ہی رکن ہے اس کے باوجود کہ مشہود بہ ایک سے زائد ہے۔

اور ایسا یا تو اس لئے ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، اس لیے آپ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہونے کی گواہی دینا اللہ تعالیٰ کے ایک معبودِ حقیقی ہونے کی گواہی کو شامل اور اس کی تکمیل کا باعث ہے۔

یا ایسا اس لئے ہے کیونکہ یہ دونوں شہادتیں اعمال کی صحت اور ان کی قبولیت کی بنیاد ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص

اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے بغیر کوئی عمل درست و مقبول نہیں ہو سکتا،

لہذا معلوم ہوا کہ ”لا إله إلا الله“ کی گواہی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی بنا پر اور ”أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ (کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں) کی گواہی رسول کریم ﷺ کی پیروی سے ہی سچ ثابت ہوگی۔

اس بلند و بالا شہادت کے ثمرات : خود کو مخلوق (غیر اللہ) کی غلامی سے آزادی دلانا اور انبیاء و رسل کی اتباع و فرمانبرداری، اس کے ثمرات میں شامل ہے۔

(2) اقامتِ نماز : یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو مقررہ اوقات میں ثابت قدمی اور خاص کیفیات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔

نماز کے ثمرات : شرح صدر، آنکھوں کی ٹھنڈک کا حصول، حیا سوز اور بری عادات سے بچاؤ، اس کے ثمرات میں شامل ہیں۔

(3) زکوٰۃ کی ادائیگی : یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو مستحق زکوٰۃ اموال میں واجب مقدار کی ادائیگی سے پوری ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے ثمرات : بری عادات (مثلاً بخل وغیرہ) سے دلوں کی پاکیزگی اور اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں کا پورا کرنا، اس کے ثمرات میں سے ہے۔

(4) رمضان کے روزے رکھنا : یہ بھی ایک عبادت الہی ہے جو ماہ رمضان کے دنوں میں کھانے پینے کی چیزوں سے اور اسی طرح نفسانی خواہشات سے اپنے آپ کو روکے رکھنے سے پوری ہوتی ہے۔

روزے کے ثمرات : اللہ عزوجل کی رضا کا مطیع ہونا، اس کے جملہ فوائد میں سے ہے۔

(5) بیت اللہ کا حج : یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت ہے جو شعائر حج کی ادائیگی کی غرض سے بیت اللہ الحرام کی زیارت سے پوری ہوتی ہے۔

حج کے ثمرات : اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے جہاں تک ہو سکے مالی اور جسمانی جدوجہد پر اپنے دلوں کو مطیع بنانا چنانچہ ”حج“ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی کی ایک قسم ہے۔

یاد رہے کہ اوپر ہم نے ارکان اسلام کے جن ”ثمرات“ کا ذکر کیا ہے، اور ان کے جن ثمرات کا ہم ذکر نہیں کر پائے یہ سب ایسی باتیں ہیں جو ایک امت کو پاک و صاف، اللہ تعالیٰ کے دین حق پر ثابت قدم اور مخلوق کے ساتھ عدل و سچائی کا معاملہ کرنے والی اسلامی امت بنا دیتی ہیں۔ کیوں کہ ان کے علاوہ جو بھی شرائع اسلام ہیں ان کی درستی بھی انہی بنیادوں پر منحصر ہے۔ اور کسی امت کے حالات اس کے دینی امور کی درستی سے ہی ٹھیک ہوتے ہیں۔ پس جس امت کے دینی معاملات میں جس قدر بگاڑ موجود ہو گا، اسی قدر اس کے احوال میں فساد و بگاڑ پایا جائے گا۔ جو شخص اس بات کی وضاحت چاہتا ہو، اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پڑھ لے : ”اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں نچھاور کر دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا، پس ہم نے ان کو ان کے اعمال کے بدلے میں پکڑ لیا، کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آ پہنچے، اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں، اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر دن چڑھے ہمارا عذاب آ پہنچے، اس حال میں کہ وہ کھیلتے ہوں۔ کیا اللہ کے داؤ سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ سنو ! اللہ کے داؤ سے گھاٹا پانے والی قوم کے علاوہ کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔“ [الأعراف:96-99]۔

اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس میں عقل و خرد کے لیے عبرت اور جن کے دلوں پر پردے نہیں پڑے ہوئے ہیں، ان کے لیے بصیرت کا بہت سا سامان موجود ہے۔ واللہ المستعان.

اسلامی عقیدے کی بنیادیں

”دین اسلام“ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ”عقیدہ اور شریعت“ کا نام ہے اور گزشتہ صفحات میں ہم دین اسلام کے بعض شرائع (یعنی احکام) کی جانب اشارہ اور اس کے ان ارکان کا جو ان شرائع اور احکام کی بنیاد ہیں، تذکرہ کر چکے ہیں۔ اب ہم ”اسلامی عقیدہ“ کا ذکر کریں گے۔

”اسلامی عقیدہ“ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان جیسی بنیادوں پر قائم ہے۔

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں ان اسس پر دلائل موجود ہیں،

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : ”نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور نبیوں پر۔“ [البقرة:177]، اور تقدیر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے : ”ہم نے ہر چیز ایک (مقرر) اندازے کے مطابق پیدا کی ہے اور ہمارا حکم تو آنکھ جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔“ [القمر:49-50]۔ احادیث میں موجود ہے کہ نبی ﷺ نے ایمان کے متعلق حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا : ”ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان لائے۔“

اللہ تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان چار امور کو شامل ہے :

(اول) وجودِ باری تعالیٰ پر ایمان۔

اللہ تعالیٰ کے وجود پر عقل، فطرت، حس اور شریعت سبھی چیزیں دلالت کرتی ہیں۔

(الف) وجودِ باری تعالیٰ پر فطری دلائل : چونکہ ہر مخلوق کا اپنے خالق پر ایمان کی حالت پر پیدا ہونا ایک ایسا فطری اور پیدائشی وصف ہے جو غور و فکر اور علم کے بغیر اس کی جبلت میں داخل ہوتا ہے، لہذا وہ اس فطرت کے تقاضے سے ہرگز نہیں پھرتا الا یہ کہ کوئی اس کے دل پر ایسے نقوش بٹھا دے جو اسے اس فطرت سے پھیر دیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے : ”ہر بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں“۔

(ب) وجودِ باری تعالیٰ پر عقلی دلائل : تمام مخلوقات سے پہلے خالق اور موجد کا ہونا از حد ضروری ہے کیوں کہ کسی نفس یا کسی چیز کا از خود، اتفاقی یا حادثاتی طور پر وجود میں آجانا ناممکن ہے۔ کسی نفس کا از خود وجود میں آجانا اس لیے ناممکن ہے کہ کوئی چیز خود کو پیدا نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ اپنے وجود سے پہلے معدوم ہوتی ہے، پس جو چیز معدوم ہو وہ خالق کس طرح ہو سکتی ہے؟

اسی طرح کسی چیز کا اتفاقیہ یا حادثاتی طور پر وجود پاجانا بھی ناممکن ہے کیوں کہ ہر حادث، (یعنی نئی چیز) کے لیے کسی محدث، (یعنی وجود بخشنے والے) کا ہونا لازمی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس حادث کا وجود ایک مستقل دلفریب نظام، مناسب و موافق ترتیب، اسباب و مسببات اور کائنات کی بعض چیزوں کے درمیان

مضبوط باہمی تعلق و ارتباط پر منحصر ہونا قطعی طور پر، اس بات کی نفی کرتا ہے کہ اس کا وجود ایک حادثہ یا اتفاق ہے۔ اگر موجودات اپنے وجود کی اصل میں کسی نظم کی پابند نہیں بلکہ محض اتفاق کا نتیجہ ہوتیں تو اب تک ان کی بقا اور ارتقاء (یعنی بتدریج نشونما) کیوں کر باقاعدہ اور منتظم ہوتی؟

جب ان مخلوقات کا از خود یا محض اتفاق اور حادثاتی طور پر پیدا ہو جانا ناممکن ہے تو یہ چیز ثابت ہو گئی کہ ان سب چیزوں کا کوئی موجد ضرور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عقلی اور قطعی دلیل کا تذکرہ ”سورہ طور“ میں یوں فرمایا ہے : ”کیا یہ لوگ بغیر کسی خالق کے (خودبخود) پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟“۔ [الطور:35]۔ یعنی وہ بغیر خالق کے پیدا نہیں ہوئے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو پیدا کیا ہے، تو ثابت ہوا کہ ضرور ان کا کوئی خالق ہے اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو ”سورۃ الطور“ کی ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے سنا : ”کیا یہ لوگ بغیر کسی خالق کے (خودبخود) پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے) خالق ہیں یا انہوں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل) یقین نہیں رکھتے۔ کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں؟ یا ان پر انہیں کا حکم چلتا ہے؟“ [الطور:35-37]۔

اس کے باوجود کہ وہ اس وقت مشرک تھے کہا کہ : ”میرا دل شکستہ، بدحال اور اڑا اڑا سا ہو گیا۔ اور یہ پہلی بار ہوا کہ جب ایمان نے میرے دل میں گھر کر لیا تھا۔“

مزید وضاحت کے لیے ہم یہاں ایک مثال پیش کرتے ہیں: اگر کوئی شخص آپ کو کسی ایسے مضبوط بلند و بالا محل کے متعلق

بتائے جس میں چاروں طرف باغات ہوں، اور ان کے درمیان نہریں بہ رہی ہوں، تخت پوشوں، نرم و نازک بچھونوں سے پر اور تزئین و آرائش کے ہر قسم کے سامان سے آراستہ پیراستہ ہو، اور اس کے متعلق یہ بتائے کہ یہ محل اور جو کچھ اس میں موجود ہے بغیر کسی موجد کے خودبخود وجود میں آ گیا ہے تو آپ نہ صرف بڑے یقین کے ساتھ اس کا انکار کریں گے اور اسے جھٹلا دیں گے بلکہ اس کے بیان کو کسی بے عقل کا قول قرار دیں گے۔ کیا اس مثال کے بعد بھی اس بات کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے کہ یہ وسیع کائنات اور اس میں موجود زمین و آسمان، اور افلاک نیز اس کا حیرت میں ڈال دینے والا بے مثال نظام اور سسٹم بغیر کسی موجد کے از خود یا محض اتفاق یا حادثہ کی بناء پر وجود میں آگئے ہوں؟ (ج) وجود باری تعالیٰ پر شرعی دلائل : بلاشبہ تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر شاہد ہیں اور مخلوق کی مصلحتوں کے ضمن میں جو احکام ان کتب سماویہ میں وارد ہیں، وہ تمام اس بات کی دلیل ہیں کہ بلاشبہ یہ کتب ایک نہایت حکیم (دانا) اور اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو خوب جاننے والے رب (پروردگار) کی طرف سے ہیں اور ان آسمانی کتابوں میں وارد کائنات سے متعلق جن خبروں کی امر واقع نے تصدیق کی ہے وہ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ بلاشبہ یہ تمام چیزیں ایک ایسے رب کی طرف سے ہیں جو ان تمام چیزوں کے ایجاد پر پوری قدرت رکھتا ہے جن کے بارے میں اس نے خبر دی ہے۔

(د) وجود باری تعالیٰ پر حسی دلائل، حسی دلائل دو قسم کے ہیں

:

(اول) ہم دعا کرنے والوں کی دعاؤں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھتے اور سنتے ہیں، اسی طرح انتہائی دکھ اور تکالیف میں مبتلا لوگوں کی داد و فریاد رسی بھی ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اور نوح علیہ السلام (کا قصہ بھی یاد کرو) جب کہ ان سب

سے پہلے انہوں نے ہم کو پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی۔“۔
[الأنبياء:76] ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے : ”اس وقت کو یاد کرو،
جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری
(فریاد) سن لی۔“۔ [الأنفال:9]۔

اور صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ
سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”جمعہ کے دن ایک اعرابی اس
وقت (مسجد نبوی میں) داخل ہوا جب نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے
تھے، اس نے عرض کی! اے اللہ کے رسول ﷺ! (بارش نہ ہونے کی
وجہ سے) مال و متاع تباہ ہو گئے اور اہل و عیال فاقہ کشی کے شکار
ہو گئے، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے (بارش کی) دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے
ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔ پس چاروں طرف سے پہاڑوں کے مانند
بادل امدٹ آئے، آپ منبر سے نیچے بھی نہ اتر پائے تھے کہ میں نے
بارش کی بوندوں کو آپ کی داڑھی مبارک سے ٹپکتے ہوئے دیکھا۔

دوسرے جمعہ میں وہی یا کوئی دوسرا اعرابی کھڑا ہوا اور
عرض کی: اے اللہ کے رسول! (بارش کی کثرت سے) ہمارے گھر
منہدم ہو گئے ہیں اور مال و متاع (پانی میں) غرق ہو گئے، لہذا آپ اللہ
تعالیٰ سے ہمارے لیے (بارش تھمنے) کی دعا فرمائیں، رسول اللہ ﷺ
نے دست مبارک اٹھائے اور یہ دعا فرمائی: اللهم حوالینا ولا علينا (یعنی
اے اللہ! ہمارے اردگرد نازل فرما، ہم پر نہ برس) پھر آپ نے جوں ہی
ادھر ادھر اطراف میں اشارہ فرمایا، بادلوں میں شکاف پڑ گیا اور وہ
فورا چھٹ گئے۔“۔

دعاؤں کی مقبولیت کا سلسلہ امر مشاہد ہے کبھی بند نہیں ہوا،
بلکہ جو لوگ صدق و شرائط قبولیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے التجا
کرتے ہیں ان کے لیے دعاؤں کی قبولیت کا یہ سلسلہ آج بھی اسی
طرح قائم ہے۔

(دوم) بہت سے لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی نشانیوں (جنہیں معجزات کہا جاتا ہے) کا خود مشاہدہ کیا ہے یا (معتبر ذرائع سے) ان کے بارے میں سنا ہے۔ یہ معجزات ان رسولوں کے بھیجنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجود پر دلیل قطعی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز یہ حقائق انسانی قوتِ فہم سے بالا تر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رسولوں کی تائید و نصرت کے لیے جاری فرمایا تھا۔

پہلی مثال : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کی ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر پر اپنی لاٹھی مارنے کا حکم فرمایا تھا، جونہی موسیٰ علیہ السلام نے فرمانِ الہی کی تعمیل کی، سمندر میں بارہ خشک راستے پھٹ گئے، اور ان راستوں کے درمیان پانی پہاڑوں کے مانند کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : ”پھر ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنی لاٹھی کو سمندر پر مارو، چنانچہ (سمندر) پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا (یوں) ہو گیا کہ گویا بڑا پہاڑ ہے۔“ [الشعراء:63]۔ دوسری مثال - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں قبروں سے باہر نکالنے والے معجزہ کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اور میں زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔“ [آل عمران:49] اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا ہے : ”اور جبکہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے۔“ [المائدہ:110]۔ تیسری مثال : حضرت محمد ﷺ کے معجزہ شق القمر (یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے) کی ہے۔ جب قریش مکہ نے آپ سے معجزے کا مطالبہ کیا تو آپ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا اور وہ دو حصوں میں بٹ گیا اور تمام لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : ”قیامت نزدیک آپہنچی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور اگر (کافر) لوگ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔“ [القمر:1-2]۔

ان تمام معجزات و علامات کا تعلق محسوسات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رسولوں کی تائید و نصرت کے لیے جاری فرمایا تھا، یہ تمام معجزات قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔

(دوم) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان: یعنی (اس بات پر ایمان) کہ وہ اکیلا اور تن تنہا پروردگار ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ مددگار۔

رب : سے مراد وہ ہستی ہے جو تن تنہا تخلیق اور پیدا کرنے والا ہو، ملکیت اور بادشاہی صرف اسی کے لئے ہو، اور حکم بھی صرف اسی کا چلتا ہو، پس اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی دوسرا خالق ہے نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مالک ہے، اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی دوسرا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : ”یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا“۔ [الأعراف:54] اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا ہے : ”یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گھٹلی کے چھلکے کے برابر بھی (کسی چیز پر) اختیار نہیں رکھتے“۔ [فاطر:13]۔ مخلوق میں سے کبھی بھی کسی نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار نہیں کیا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کو تکبر کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا لیکن وہ بھی جو کچھ کہتے تھے خود اس پر عقیدہ نہ رکھتے تھے، جیسا کہ فرعون کے اس خطاب سے ظاہر ہے جو اس نے اپنی قوم سے کیا تھا : ”کہنے لگا کہ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں“۔ [النازعات:24]، نیز اس نے یہ بھی کہا: ”اے ایلِ دربار! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا“۔ [النمل:14]۔ لیکن فرعون کا یہ دعویٰ عقیدے کی بنیاد پر نہیں تھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : ”اور ظلم و تکبر کی راہ سے وہ ان (معجزات) کے منکر ہو گئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا“۔ [النمل:14]۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

فرعون سے کہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں اس کے بارے میں خبر دی ہے: ”تو خوب جانتا ہے کہ آسمان اور زمین کے پروردگار نے یہ معجزے دکھانے سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں، - اے فرعون میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً برباد و ہلاک کیا گیا ہے“۔ [الإسراء:102]، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکین عرب بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شرک کے باوجود اس کی ”ربوبیت“ کا اقرار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے، سب کس کا ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ سب کچھ اللہ کا ہے، ان سے کہئے! کہ پھر کیوں غور نہیں کرتے؟ آپ یہ بھی کہیے! کہ ان سات آسمانوں اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے تو آپ (ان سے کہیے) کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ کہیے کہ اگر تمہیں خبر ہے تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے، اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ ہی ہے، آپ کہہ دیجیے! کہ پھر تم کدھر سے جادو کر دیتے جاتے ہو“۔ [المؤمنون: 84-89]۔ اور ایک جگہ ہوں ارشاد ہوتا ہے: ”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو غالب اور علم والی ذات نے پیدا کیا ہے“۔ [الزخرف:9]۔ ایک اور جگہ میں یوں فرمایا: ”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے، تو پھر یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔“ [الزخرف:87]۔ رب سبحانہ و تعالیٰ کا امر (حکم)، امر کونی و شرعی دونوں کو شامل ہے، چنانچہ جس طرح وہ اپنی بہترین حکمت عملی کے تقاضے کے مطابق کائنات کی تدبیر کرنے والا اور اس میں اپنا من چاہا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق، عبادات اور معاملات سے متعلق احکام کو جاری کرنے کی وجہ سے بھی اس کائنات کا حاکم ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ

کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریعت ساز، یا معاملات میں حاکم بنا لے وہ مشرک ہے اور اس کا ایمان ثابت نہ ہو سکے گا۔

(سوم) اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان : یعنی صرف وہی تنہا حقیقی معبود ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اور ”الہ“ بمعنی ”مالوہ“، یعنی اس سے مراد وہ ہستی ہے جس کی محبت اور تعظیم کے ساتھ عبادت یا پرستش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔“ [البقرة:163] اور ارشاد الہی ہے: ”اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں۔“ [آل عمران:18] پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کسی کو معبود سمجھ کر پوجا گیا اس کا الہ ہونا غلط اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی جو برحق ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا (کافر) جن کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں اور اللہ ہی سب سے اوپر اور بڑا ہے۔“ [الحج:62]۔ اگر کوئی شخص کسی کو ”الہ“ یا ”معبود“ پکارنے لگے تو اس سے اس کو ”حق الوہیت“ حاصل نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ ”لات“ اور ”عزی“ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (ان کے معبود ہونے کی) کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔“ [النجم:23]۔ اور اللہ کا ارشاد ہے کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ”کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (ان کے معبود ہونے کی) کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔“ [الأعراف:71]۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کے اپنے دونوں ساتھیوں سے جو فرمایا تھا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے قید خانہ

کے رفیقو کیاجدا جدا کئی معبود بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو سب سے زبردست ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے (معبود ہونے کی کوئی دلیل) نہیں اتاری۔“ [یوسف:39-40]۔ اسی لیے تمام پیغمبر علیہم السلام اپنی قوم سے یہی کہتے رہے: ”اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی سچا معبود نہیں۔“ [الأعراف:59] لیکن مشرکین نے اس حقیقت سے انکار کیا اور اللہ کے علاوہ کچھ دوسرے الہ (معبود) بنا کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی پرستش کرنے لگے۔ اور ان سے مدد کے طالب ہونے لگے اور ان سے استغاثہ و فریاد کرنے لگے۔

مشرکین کے انہیں معبود بنا لینے کا رد اللہ تعالیٰ نے دو عقلی دلیلوں سے فرمایا ہے:

پہلی دلیل: جن کو لوگوں نے الہ (معبود) بنا رکھا ہے ان میں ”الوہیت“ کی صفات نہیں پائی جاتیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، کسی بھی چیز کو پیدا کرنا ان کے بس میں نہیں، وہ اپنی پرستش کرنے والوں کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان پر سے کوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ وہ ان کی زندگی کے مالک ہیں اور نہ ان کی موت کے، نہ آسمانوں کی کوئی چیز ان کی ملکیت میں ہے اور نہ وہ اس کی ملکیت میں ساجھی دار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اور ان لوگوں نے اس اللہ کے سوا کچھ دوسرے معبود بنا رکھے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور وہ خود اپنے لیے نہ کسی نقصان (کے دور کرنے) کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کے (حاصل کرنے کا) اور نہ کسی کے مرنے پر انہیں اختیار ہے اور نہ (کسی کے) جینے پر اور نہ ہی (کسی کے) دوبارہ اٹھانے پر۔“ [الفرقان:3]۔

ایک اور جگہ اللہ کا ارشاد ہوتا ہے : ”آپ کہہ دیجیے جن کو تم اللہ کے سوا حصہ دار سمجھتے ہو ان کو پکارو، وہ آسمان و زمین میں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ ہی ان دونوں کی ملکیت میں شریک ہیں، اور نہ ان میں سے کوئی اس (اللہ) کا مددگار ہے۔ اور نہ اس کے نزدیک (کسی کے لیے) کوئی سفارش فائدہ دے گی مگر اسی کے لیے جس کے لیے وہ اجازت دے دے۔“ [سبأ: 22-23] اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کیسے ناداں ہیں یہ لوگ کہ ان کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد پر قادر ہیں۔“ [الأعراف: 191-192]۔

جب ان معبودانِ باطلہ کا یہ حال ہے تو پھر ان کو حقیقی معبود بنالینا مکمل باطل اور انتہاء درجہ کی بے وقوفی ہے۔

دوسری دلیل: ان مشرکین کو بھی اس بات کا یقین اور اقرار تھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا رب اور خالق ہے، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے، وہی پناہ دیتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، اور اس اقرار سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ربوبیت ہی کی طرح وہ الوہیت میں بھی اللہ کی توحید کو اختیار کرتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اے لوگو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تم کو اور جو تم سے پہلے تھے ان کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ، وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے (کھانے کے) لیے پھلوں کی غذا نکالی، پس کسی کو اللہ کا ہمسر (شریک) نہ ٹھہراؤ اور تم جانتے بوجھتے ہو۔“ [البقرة: 21-22]۔

اور ایک مقام پر یوں ارشاد الہی ہوا : ”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ (خود) ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے، پس یہ لوگ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔“ [الزخرف: 87]۔

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”آپ ان سے پوچھیں کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے، یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان (چیز) سے نکلتا ہے؟ اور بے جان (چیز) کو جاندار سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ سو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تو پھر آپ کہیے کہ کیوں پرہیزگاری اختیار نہیں کرتے؟ سو یہ اللہ ہے جو تمہارے رب حقیقی ہے، پھر حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا رہ گیا ہے؟ پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟“۔ [یونس: 31-32]۔

(چہارم) : اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر ایمان

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے خود اپنی کتاب، یا اپنے رسول ﷺ کی سنت میں جن اسماء و صفات کا اثبات فرمایا ہے، ان کا تحریف و تعطیل اور بغیر تکلیف و تمثیل جس طرح اس کی ذات کے شایان شان ہے، اثبات کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور سب اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں تو اس کو ان ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی (اختیار) کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی سزا پائیں گے۔“ [الأعراف: 180] اور فرمایا: ”اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان سب سے اعلیٰ (اور بلند) ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔“ [الروم: 27] اور فرمایا: ”کوئی چیز اس جیسی نہیں ہے اور وہ ہی ہر بات کا سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔“ [الشوری: 11]۔

اس مسئلے میں دو گروہ گمراہی کا شکار ہوئے ہیں :

پہلا گروہ (معطلہ) کا ہے : یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، یا ان میں سے بعض کے منکر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان اسماء و صفات کا اثبات حقیقت میں تشبیہ (یعنی

اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ بنا دینا) ہے - لیکن یہ دعویٰ درج ذیل وجوہات کی بناء پر بالکل لغو اور باطل ہے :

پہلی وجہ : یہ دعویٰ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام میں باہمی تضاد جیسے جھوٹے الزامات پر مشتمل ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذات کے لیے ان اسماء و صفات کا اثبات کرنے کے ساتھ ساتھ اور کسی چیز کے اپنے ہم مثل ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ لہذا اگر یہ مان لیا جائے کہ ان اسماء و صفات کا اثبات تشبیہ کا باعث ہے تو اس سے کلام اللہ میں تضاد اور بعض آیات کی بعض سے تکذیب لازم آتی ہے۔ دوسری وجہ : اسم یا صفت میں سے کسی بھی دو چیزوں کے اتفاق سے ان کا باہم ایک جیسا ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ دو شخصوں کے درمیان اس لحاظ سے اتفاق پایا جاتا ہے کہ وہ دونوں انسان ہیں، سنتے، دیکھتے اور بولتے ہیں لیکن اس سے یہ ہر گز لازم نہیں آتا کہ وہ انسانی مزاج، یا سننے، دیکھنے اور بولنے کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ کُلّی موافقت رکھتے ہوں۔

اسی طرح جانوروں کی مثال لے لیجیے، ان کے پاس ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں ہوتی ہیں لیکن اس اتفاق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں حقیقت میں ایک جیسی ہوں۔

پس جب مخلوقات کے درمیان اسماء و صفات میں اتفاق کے باوجود بھی اختلاف واضح ہے، پس خالق و مخلوق کے درمیان تباین تو اس سے بھی زیادہ واضح اور بڑا یقینی ہوگا۔

دوسرا گروہ (مشبہ) کا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا اثبات مخلوق کے ساتھ اس کی تشبیہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ یہی نصوص کی دلالت کا تقاضا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اسی طرح مخاطب ہوتا ہے جس طرح کہ وہ

سمجھ سکیں۔ لیکن یہ گمان بھی مندرجہ ذیل وجوہات کی وجہ سے جھوٹ کا پلندہ ہے :

پہلی وجہ : اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ مشابہت ایک ایسا امر ہے جو عقل و شریعت دونوں کے یہاں باطل اور مردود ہے جب کہ یہ بات قطعاً ناممکن ہے کہ کتاب و سنت کی دلالت اور تقاضا غلط اور باطل ہو۔

دوسری وجہ : بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اسی طرح خطاب فرمایا ہے جس طرح کہ وہ اسے اصل معنی کی حیثیت سے سمجھتے ہیں، لیکن اس کے خطاب کے معانی کا جو حصہ اس کی ذات یا صفات سے متعلق ہے، اس کی حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ”سمیع“ ہونے کا اثبات فرمایا ہے تو ”سمع“ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے تو معلوم ہے (یعنی آوازوں کا ادراک) لیکن اللہ تعالیٰ کی ”سماعت“ کی نسبت سے اس کے ”سمیع“ ہونے کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہے۔ ”سمع: کی حقیقت چونکہ مخلوقات میں بھی مختلف ہوتی ہے، لہذا خالق و مخلوق کے درمیان اس کا مختلف ہونا اور بھی زیادہ واضح اور یقینی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اگر اپنے متعلق اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے تو ”استوا“ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے اگرچہ معلوم ہے لیکن عرش پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کی نسبت سے اس ”استوا“ کی حقیقت مجہول ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ”استوا“ کی حقیقت مخلوق کے حق میں بھی مختلف ہوتی ہے، چنانچہ کسی مستقر کرسی پر مستوی ہونا (بلند ہونا) بے قابو ہونے والے اونٹ کے کجاوے پر مستوی ہونے کی مانند نہیں ہے۔ پس یہ چیز جب مخلوق کے حق میں مختلف ہے تو خالق و مخلوق کے درمیان یہ اختلاف یقینی طور پر زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا۔

مذکورہ وصف کے ساتھ اللہ پر ایمان کے چند عظیم الشان ثمرات

:

اول : اللہ تعالیٰ کی توحید کی تحقیق : اس طرح کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے اُمیدیں وابستہ نہ رکھے، نہ کسی دوسرے سے خوفزدہ ہو اور نہ ہی کسی اور کی عبادت کرے۔

دوم : ”اسمائے حسنی“ (یعنی اچھے ناموں) اور ”صفات علیا“ (بلند صفات) کے تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس سے کمالِ محبت کرنا۔

سوم : ”تحقیق عبادت“ یعنی جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے ان کو بجا لانا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرنا۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتے ”ملائکہ“ ایک پوشیدہ جہاں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والی مخلوق ہیں، ان میں ”ربوبیت“ اور ”الوہیت“ کی کوئی خصوصیت موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا فرمایا ہے اور ان کو تمام احکام الہی پوری طرح بجا لانے کی قدرت اور اسے نافذ کرنے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک رہتے ہیں اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور نہ اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں بلکہ شب و روز اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور دم نہیں لیتے“۔ [الأنبياء: 19-20]۔

فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کی صحیح تعداد نہیں جانتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قصہ معراج والی حدیث میں ثابت ہے کہ: ”نبی ﷺ جب آسمان میں واقع ”بیت المعمور“ پر پہنچے تو دیکھا کہ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جو اس میں سے ایک بار (نماز پڑھ کر) نکل جائے دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتا، (یعنی پھر کبھی اس کی باری نہیں آتی)۔“۔

فرشتوں پر ایمان لانا چار امور کو شامل ہے :

(1) فرشتوں کے وجود پر ایمان۔

(2) جن فرشتوں کے نام ہمیں معلوم ہیں جیسے جبریل علیہ السلام ان پر ایمان مفصل اور جن فرشتوں کے نام ہمیں معلوم نہیں ان سب پر اجمالاً ایمان لانا۔

(3) فرشتوں کی جن صفات کا ہمیں علم ہے ان پر ایمان لانا جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت کے متعلق نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ: ”میں نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل و صورت میں دیکھا۔ ان کے چہ سو پر تھے اور انہوں نے افق کو بھر رکھا تھا“۔ یعنی پوری فضا پر چھائے ہوئے تھے۔

اور کبھی فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی شکل و صورت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق معروف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا تو وہ ان کے پاس ایک عام انسان کی شکل میں آئے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ وہ ایک ایسے شخص کی شکل میں آئے تھے کہ ان کے کپڑے انتہائی سفید اور سر کے بال غیر معمولی طور پر سیاہ تھے اور ان پر سفر کے آثار بھی نمایاں نہ تھے، صحابہ میں سے کوئی بھی انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ وہ اپنے گھٹنے نبی ﷺ کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے اسلام، ایمان، احسان، قیامت کی گھڑی اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا۔ اور نبی ﷺ ان کے جواب دیتے رہے۔ پھر نبی ﷺ نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر) فرمایا: ”یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔“

اسی طرح وہ فرشتے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس بھیجا تھا وہ بھی انسان ہی کی شکل میں آئے تھے۔

(4) فرشتوں کے ان اعمال پر ایمان لانا جو ہمیں معلوم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام دیتے ہیں، مثلاً اللہ عزوجل کی تسبیح بیان کرنا اور دن رات مسلسل بغیر تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے اس کی عبادت کرنا وغیرہ۔

بعض فرشتے مخصوص اعمال کے لیے مقرر ہیں۔

جیسے جبریل امین اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ساتھ انہیں اپنے نبیوں اور رسولوں کے پاس بھیجا ہے۔

اور جیسے میکائیل ان کے ذمہ بارش اور نباتات کا کام ہے۔

اس طرح اسرافیل قیامت کی گھڑی اور مخلوق کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت صور پھونکنے پر مامور ہیں۔

انہی فرشتوں میں سے ملک الموت (موت کا فرشتہ) جو موت کے وقت روح قبض کرنے پر مامور ہے۔

اور اسی طرح کے فرشتوں میں سے مالک کا نام ہے جو: جہنم پر مامور بلکہ داروغہ جہنم ہے۔

اور جیسے وہ فرشتے جو شکم مادر میں جنین (یعنی بچے) پر مامور ہیں: چنانچہ جب انسان ماں کے رحم میں چار ماہ کی مدت پوری کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی موت، اس کے عمل اور اس کے بد بخت یا سعادت مند ہونے کو احاطہ تحریر میں لاتا ہے۔

ان ہی فرشتوں میں شمار بنی آدم کے اعمال کی حفاظت پر مامور فرشتوں کا ہے، چنانچہ: ہر شخص کے اعمال کی حفاظت اور انہیں لکھنے کے لیے دو فرشتے مقرر ہیں جن میں سے ایک انسان کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب رہتا ہے۔

اور اسی بات کی مثال میں مُردوں سے سوال کرنے پر مامور فرشتے کا نام آتای ہےں جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کی بابت سوال کرتے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانے کے ثمرات:

اول : اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی۔ اس کی قوت اور اس کی سلطنت کا علم۔ یاد رہے مخلوق کی عظمت خالق کی عظمت کی دلیل ہے۔

دوم : بنی آدم پر عنایات و انعامات کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرنا کہ اس نے ان فرشتوں کو بنی آدم کی حفاظت، ان کے اعمال لکھنے اور دیگر مصلحتوں پر مامور فرمایا ہے۔

سوم : فرشتوں سے محبت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اپنے سپرد کردہ فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

فرشتوں سے متعلق بعض شبہات اور ان کا ازالہ : گمراہ اور بدنیتوں کی ایک جماعت نے فرشتوں کے مجسم مخلوق ہونے کا انکار کیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ فرشتے دراصل مخلوقات میں موجود خیر وبرکت کی (پوشیدہ) قوتوں کا نام ہے لیکن یہ دعویٰ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کے اجماع کو صریحا جھٹلانے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ”تمام تر تعریف اللہ کے لیے ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے اور فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو، دو، تین تین، چار چار پر اور بازو ہیں۔“ [فاطر:1]۔

اور ایک جگہ یوں ارشاد ہوا ہے : ”اور کاش کہ آپ اس وقت (کی کیفیت) کو دیکھتے جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے چہروں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے) مارتے ہیں۔“ [الأنفال:50]۔

اور ایک جگہ یوں ارشاد فرماتا ہے : ”اور کاش کہ آپ ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لیے) اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں نکالو۔“ [الأنعام:93]۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے : ”یہاں تک کہ جب ان (فرشتوں) کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے، تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا ہے؟ کہتے ہیں کہ حق فرمایا ہے اور وہی سب سے بلند و بالا اور بڑا ہے۔“ [سبأ:23]۔

اور اہل جنت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے : ”اور فرشتے (بہشت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلامتی ہو (یہ) تمہاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے، کیا ہی اچھا بدلہ ہے اس دار آخرت کا۔“ [الرعد:23-24]۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا : ”جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو جبریل کو پکارتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ بے شک میں فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہوں، پس تم بھی اس سے محبت کرو، تو جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں کو پکارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے، تم لوگ بھی اس سے محبت رکھو تو تمام آسمان والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کو زمین میں بھی شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے۔“

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن مسجد کے تمام دروازوں پر فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں آنے والے نمازیوں (کے ناموں) کا ترتیب وار اندراج کرتے ہیں، پھر جب امام (خطبہ کے لیے منبر پر) بیٹھ جاتا ہے تو وہ بھی اپنے اپنے رجسٹر بند کر کے (اللہ تعالیٰ کا ذکر) سننے کے لیے (مسجد میں) آ جاتے ہیں۔“

کتاب و سنت پر مشتمل مذکورہ بالا تمام نصوص اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ فرشتے مجسم مخلوق ہیں، کوئی پوشیدہ اور

معنوی قوتیں نہیں جیسا کہ بعض گمراہ لوگوں کا کہنا ہے، نیز چونکہ ان تمام دلائل کے (مدلولات یعنی جن کا یہ ”ادلہ“ تقاضا کرتی ہیں) پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، (لہذا اس مسئلے پر) مسلمانوں کا اجماع ثابت ہوا۔

K

کتابوں پر ایمان

کتاب : کتب کی جمع ہے جس کے معنی مکتوب (نوشتہ) کے ہیں۔ یہاں ”کتب“ سے مراد وہ کتابیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت و رحمت کے لیے رسولوں پر نازل فرمایا تاکہ ان کے ذریعہ وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

کتابوں پر ایمان چار امور کو شامل ہے :

اول : اس بات پر ایمان کہ ان کتابوں کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونا حق ہے۔

دوم : ان کتابوں میں سے جن کے نام ہمیں معلوم ہیں، مثلاً قرآن کریم جو کہ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، اور ”تورات“ جس کا نزول موسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ اور ”انجیل“ جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور ”زبور“ جو داود علیہ السلام کو دی گئی۔ ان سب پر مفصل ایمان لانا نیز ان کے علاوہ جن صحیفوں اور جن کتابوں کے نام ہمیں معلوم نہیں، ان سب پر ہمارا ایمان مجمل ہو گا۔

سوم : ان کتابوں کی جو صحت کے درجہ کو پہنچی ہیں مثلاً قرآن کریم کی تمام اور سابقہ کتابوں کی وہ اخبار و آیات جن میں تحریف یا تغیر و تبدل نہیں ہوا، ان کی تصدیق کرنا۔

چہارم : ان کتابوں کے ان جملہ احکام پر برضا و رغبت عمل کرنا جو منسوخ نہیں ہوئے۔ خواہ ہم ان احکام کی حکمت کا ادراک کر سکے ہوں، یا ہم ایسا کرنے سے قاصر رہے ہوں، یاد رہے کہ سابقہ تمام کتب قرآن کریم کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اور (اے رسول) ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان پر نگہبان و نگران ہے“۔ یعنی ان پر حاکم ہے [المائدہ:48]

لہذا پہلی کتابوں کے احکام میں سے کسی حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ صحت کے درجہ کو پہنچ جائے، نیز قرآن کریم نے اسے منسوخ نہ کیا ہو بلکہ (پہلی حالت پر) برقرار رکھا ہو۔

کتابوں پر ایمان لانے کے چند ثمرات :

اول : بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انعام و کرم کا علم کہ اس نے ہر قوم و امت کی ہدایت کے لیے ایک کتاب نازل فرمائی۔

دوم : شریعت سازی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا علم کہ اس نے ہر قوم کے لیے ان کے مناسب احوال کے مطابق شریعت مقرر کی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : ”تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی“۔ [المائدہ:48]۔

سوم : اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنا۔

رسولوں پر ایمان

”رسل“ رسول کی جمع ہے۔ اس کے معنی ”مرسل“ یعنی ”پیغمبر“، ”مبعوث“ اور ”فرستادہ“ کے ہیں۔ جو کسی شے کو پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہو۔

یاد رہے کہ یہاں ”رسل“ سے مراد بشر میں سے وہ ہستیاں ہیں جن کی طرف بذریعہ وحی شریعت نازل کی گئی اور انہیں اس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا ہو۔

سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف بھیجی تھی۔“ [النساء: 163]۔

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت والے دن) لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تاکہ وہ ان کے لیے شفاعت کریں لیکن وہ عذر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ آپ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں جو پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا، پھر انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔“ اور حضرت محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”(اے لوگو) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“ [الأحزاب]۔ کوئی بھی اُمت ایسی نہیں گزری جس کی طرف رسول یا نبی نہ آیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے یا تو کسی رسول کو اس کی اپنی قوم کی طرف مستقل شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، یا پھر کسی نبی کو اس سے پہلے رسول کی شریعت کی تجدید کے لیے بذریعہ وحی احکام شریعت بھیجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (اس کے سوا تمام معبودوں) سے بچو۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ”اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔“-[فاطر:24]

ایک اور مقام پر فرمایا: ”بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی انبیاء جو کہ (اللہ کے) فرمانبردار تھے اسی کے ساتھ یہودیوں میں فیصلہ کیا کرتے تھے۔“-[المائدة:44]

تمام رسول بشر اور مخلوق ہیں، ان میں سے کسی میں بھی ربوبیت اور الوہیت کی خصوصیات نہیں پائی جاتیں حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ، جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں کے سردار اور اس کے نزدیک مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بڑے ہیں، کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”آپ کہہ دیجیے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر وہ جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ پر کبھی مصیبت لاحق نہ ہوتی، میں تو محض ایمان داروں کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔“-[الأعراف:188]

ایک اور جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے: ”آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا حق رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا آپ کہہ دیجیے کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور نہ ہی میں اس کے سوا کوئی جائے پناہ پاسکتا ہوں۔“-[الجن:21]

رسولوں کے ساتھ بھی تمام بشری خصوصیات، مثلاً مرض، موت اور کھانے پینے کی حاجت وغیرہ لگی ہوئی تھیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے اوصاف کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا، اس کے بیان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور وہ

مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔“ [الشعراء:79-81]۔

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”یقیناً میں بھی جیسا بشر ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھولتا ہوں۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے، ان کے بلند ترین مقامات اور ان کی تعریف بیان کرنے کے سیاق میں ان کو عبودیت سے متصف کیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: ”بے شک وہ بڑا شکرگزار بندہ تھا۔“ [الإسراء:3] حضرت محمد ﷺ کے متعلق یوں ارشاد الہی ہوتا ہے: ”بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (یعنی قرآن مجید) نازل فرمایا تاکہ وہ تمام دنیاں والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔“ [الفرقان:1]۔

اسی طرح حضرت ابراہیم، اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے متعلق یوں ارشاد ہوتا ہے: ”اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کیجیے جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے بے شک ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص آخرت کے گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور اچھے لوگوں میں سے تھے۔“ [ص:45-47]۔

اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ”وہ تو محض (اللہ کے) ایک بندہ تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کو (اپنی قدرت کا ایک) نمونہ بنایا۔“ [الزخرف:59]۔

رسولوں پر ایمان چار امور کو شامل ہے :

اول : اس بات پر ایمان کہ ان کی رسالت برحق اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھی، پس جس نے ان رسولوں میں سے کسی کی بھی

رسالت کا انکار کیا، تو اس نے ان سب کا انکار کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہے: ”قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا“۔ [الشعراء:105] غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو تمام رسولوں کو جھٹلانے والی قوم قرار دیا، حالانکہ جس وقت انہوں نے تکذیب کی تھی اس وقت تک حضرت نوح علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا رسول ان کے ہاں نہ آیا تھا۔ اسی طرح جن عیسائیوں نے حضرت محمد ﷺ کو جھٹلایا اور ان کی پیروی نہیں کی، تو انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھی جھٹلادیا اور وہ ان کی اتباع کرنے والوں میں سے بھی نہ رہے، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عیسائیوں کو حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی ان کو اس امر کی بشارت دیئے جانے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ ان کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہوں گے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ہاتھوں ان لوگوں کو گمراہیوں سے محفوظ فرمائے گا اور انہیں سیدھی راہ دکھائے گا۔

دوم : ان رسولوں پر ان کے نام کے ساتھ ایمان لانا جن کے نام ہمیں معلوم ہیں، مثلاً حضرت محمد، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور نوح علیہم الصلاة والسلام۔ یہ پانچ اولوالعزم رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو مقامات پر ان کا تذکرہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ”اور جس وقت ہم نے نبیوں سے اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا“۔ [الأحزاب:7] اور دوسری جگہ یہ ارشاد الہی ہوتا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف آپ انہیں بلارہے ہیں وہ ان مشرکین پر گراں گزرتی ہے، اللہ جسے چاہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے، جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا وہ اس کی صحیح رہنمائی فرماتا ہے“۔ [الشوری:13]۔ ان برگزیدہ رسولوں

کے علاوہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی کا ہمیں علم نہیں ان پر بھی اجمالاً ایمان لانا ہم پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :
 ”اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے آپ پر بیان کر دیے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کیے۔“ [غافر:78]۔

سوم : ان کی جو اخبار صحت کے درجہ کو پہنچیں ان کی تصدیق کرنا۔

چہارم : ان رسولوں میں سے جو رسول ہمارے پاس تشریف لائے، ان کی شریعت پر عمل کرنا، اور بلاشبہ وہ خاتم الرسل حضرت محمد ﷺ ہیں جو تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”پس قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ بھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے خوشی کے ساتھ تسلیم کر لیں۔“ [النساء:65]۔

رسولوں پر ایمان لانے کے بعض ثمرات :

اول : بندوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ورحمت کا علم کہ اس نے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسولوں کو محض اس لیے بھیجا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف رہنمائی کریں اور ان کے سامنے اس کی عبادت کرنے کا طریقہ بیان کریں، کیوں کہ صرف عقل انسانی کے ذریعہ ان چیزوں کی معرفت ناممکن ہے۔

دوم: اس بڑی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔

سوم : تمام رسل علیہم السلام کے شایان شان، ان کی تعظیم، ثنا اور محبت کرنا کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں، نیز اس لیے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہوئے، اس کی رسالت کی تبلیغ کی اور اس کے بندوں کو نصیحت فرمائی۔

منکرین رسالت کا نظریہ اور اس کا رد : معاندین نے اس دعوے سے اپنے رسولوں کو جھٹلایا کہ بشر اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رد فرمایا ہے: ”اور جس وقت لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا مگر ان کے اسی قول نے کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کے بھیج دیا؟ آپ فرما دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے“۔ [الإسراء: 94-95]۔ سو اس گمان کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ زمین کے باشندے بشر ہیں، اور رسول انہی کی طرف بھیجے گئے ہیں، لہذا ان رسولوں کا بشر ہونا ضروری ہے اور اگر زمین کے باشندے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل فرماتا کہ وہ ان جیسا ہی ہو۔ اور اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا قول یوں نقل فرمایا ہے: ”تم محض ہم جیسے آدمی ہو تم یوں چاہتے ہو کہ جن چیزوں کو ہمارے آباء و اجداد پوجتے تھے ان سے ہم کو روک دو سو کوئی واضح دلیل لاؤ، رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت کا) احسان فرماتا ہے اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر تمہارے پاس کوئی دہل لے آئیں“۔ [ابراہیم: 10-11]۔

یومِ آخرت پر ایمان

”یومِ آخرت“ سے مراد روزِ قیامت ہے۔ جب لوگوں کو ان کے اعمال کے حساب اور جزا کے لیے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

اس دن کا نام ”یومِ آخرت“ اس لیے ہے کہ اس کے بعد کوئی دوسرا دن نہ ہوگا، کیوں کہ تمام اہلِ جنت اور اہلِ جہنم اپنے اپنے ٹھکانوں میں قرار پا چکے ہوں گے۔

آخرت کے دن پر ایمان تین امور کو شامل ہے:

اول : دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا۔ دوبارہ اٹھائے جانے سے مراد دوسری بار صور پھونکتے وقت مردوں کو زندہ کرنا ہے، چنانچہ تمام لوگ بغیر جوتوں کے ننگے پاؤں، بغیر لباس کے ننگے جسم، اور غیر مختون اللہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوئے جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : ”جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ وعدہ (جس کا پورا ہونا) ہم پر (لازم ہے) ہم (ایسا) ضرور کریں گے“۔ [الانبیاء: 104]۔

دوبارہ اٹھایا جانا حق اور ثابت ہے، کتاب اللہ، سنتِ رسول اور اجماعِ مسلمین سب اس کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”پھر تم اس کے بعد ضرور ہی مرو گے، پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے“۔ [المؤمنون: 15-16]۔

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون جمع کیا جائے گا“۔ متفق علیہ۔

اور اس کے اثبات پر مسلمان کا اجماع ہے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے اور اپنے رسولوں کے ذریعے جو اس نے ان پر جو فرائض عائد کیے تھے، ان کی انہیں جزاء دے۔ ”سو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے

تم کو بے فائدہ پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے۔“ [المؤمنون:115] اور اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا: ”(اے پیغمبر) جس اللہ نے آپ پر قرآن (کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت و تبلیغ کو) فرض کیا ہے وہ آپ کو قیامت کے دن اپنی طرف لوٹانے والا ہے۔“ [القصص:85]۔

دوم : حساب و جزا پر ایمان لانا۔ یعنی بندے کے تمام اعمال کا حساب ہو گا اور اس کے مطابق اسے پورا بدلہ دیا جائے گا اور اس کے ثبوت پر بھی کتاب و سنت اور اجماع مسلمین سب دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”بے شک ان کو آخر ہمارے پاس ہی آنا ہے، پھر بے شک ان سے حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔“ [الغاشیة:25]۔
 [26] ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوا: ”جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور جو کوئی ایک بدی لائے گا تو وہ اسی کے برابر سزا پائے گا اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔“ [الأنعام:160] ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور قیامت کے روز ہم انصاف کا ترازو رکھیں گے سو کسی جان پر ایک زرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل ہو گا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے کے لیے کافی ہیں۔“ [الأنبیاء:47]۔ نیز حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومن شخص کو اپنے قریب بلا کر اپنے پردے سے ڈھانپ لے گا اور اس سے پوچھے گا کہ کیا تو یہ اور یہ گناہ جانتا ہے۔ وہ جواب دے گا، ہاں، اے میرے رب! یہاں تک کہ جب وہ اپنے گناہوں کے اقرار کے بعد یہ سمجھ لے گا کہ وہ تباہ و برباد ہو گیا ہے، تو اللہ فرمائے گا: ”میں نے دنیا میں تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کی تھی، آج میں تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں، چنانچہ اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا، لیکن کفار اور منافقین کو علی الاعلان

تمام مخلوق کے سامنے بلا کر یہ کہا جائے گا: "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا، خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔" متفق علیہ

اور نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے: "جس کسی نے نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل کیا تو اللہ اس ایک نیکی کو اپنے ہاں دس گنا سے سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ کئی گنا نیکیاں لکھ دیتا ہے اور جب کوئی کسی بدی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر گزرے، تو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں (اس کے نامہ اعمال میں) صرف ایک ہی بدی لکھتا ہے۔"

قیامت کے روز تمام انسانی اعمال کے حساب و کتاب اور ان کی جزا و سزا کے اثبات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کیں، رسول بھیجے جو احکام شریعت وہ لائے تھے انہیں قبول کرنا اور ان میں سے جن احکام پر عمل کرنا واجب تھا، ان پر عمل کرنا بندوں پر فرض کیا۔ جو لوگ اس کی شریعت کے مخالف ہیں، ان کے ساتھ قتال کو واجب قرار دیا، ان کے خون، ان کی اولاد، ان کی عورتوں اور ان کے مالوں کو حلال قرار دیا۔ تو اگر ان تمام اعمال کا حساب کتاب ہی نہ ہو اور نہ ہی ان کے مطابق جزا و سزا دی جائے تو یہ تمام احکام بے کار اور مہمل قرار پاتے ہیں حالاں کہ تمام جہانوں کا پروردگار تو ہر عبت چیز سے منزہ ہے، چنانچہ اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے یوں اشارہ فرمایا ہے: "پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے (بھی) ضرور پوچھیں گے، پھر ہم ان کو سب کچھ علم کے ساتھ بتا دیں گے اور ہم کہیں غائب (یعنی بے خبر) نہ تھے۔" [الأعراف: 6-7]۔

سوم : جنت اور جہنم پر ایمان لانا، اور اس پر کہ وہ دونوں مخلوق کے ابدی ٹھکانے ہیں۔

سو جنت نعمتوں کا گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے والے ان مومنوں کے لیے بنایا ہے جو ان چیزوں پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ کے لیے مخلص اور اس کے رسول کے پیروکار ٹھہرے۔ ان کے لیے جنت میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: ”جسے نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال تک گزرا“۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کام کرتے رہے وہ سب مخلوقات سے بہترین ہیں ان کا صلہ ان کے رب کے ہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا“۔ [البینة: 7-8] ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں ہوتا ہے ”کوئی شخص نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے، یہ ان کے اعمال (صالحہ) کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے“۔ [البینة: 7-8] اور ”جہنم“ عذاب کا گھر ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے ان ظالم کافروں کے لیے بنایا ہے جنہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کی نافرانی کی۔ جہنم میں طرح طرح کا عذاب اور سامان عبرت ہے، کوئی دل ان ہولناکیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار گئی ہے“ [آل عمران: 131] اور ایک جگہ یوں فرمایا: ”اعلان کردو کہ یہ قرآن سراسر برحق ہے، اب جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے، بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی فناتیں ان کو گھیرے ہوئے ہوں گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی ہو گی جو تیل کی تلچھٹ کے مانند ہو گا اور چہروں کو بھون ڈالے گا، (ان کے پینے کا) پانی بھی برا اور آرام گاہ بھی بری“۔ [الکھف: 29] اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بے شک اللہ نے کافروں کو اپنی رحمت سے

دور کر دیا ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔ جس دن ان کے چہرے جہنم میں الٹائے جائیں گے تو یوں کہیں گے اے کاش ہم نے اللہ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کی ہوتی،“-[الأحزاب:64-66]۔

یوم آخرت پر ایمان کے ثمرات :

اول : اس دن کے اجر و ثواب کی امید و طلب میں اطاعت و فرمانبرداری کی طرف رغبت اور اس کی حرص۔

دوم : اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے نافرمانی سے بے تعلق اور بے زار ہونا۔

سوم : آخرت کی نعمتوں اور ثواب کی امید پر مومنوں کے لیے دنیاوی نعمتوں سے محرومی پر تسلی۔

دوبارہ اٹھائے جانے کے منکروں کا نظریہ اور اس کا رد :

کافروں نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ناممکن ہے لیکن یہ زعم قطعاً باطل ہے، شریعت، حس اور عقل اس کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔

شرعی نصوص سے منکرین بعث کا رد : اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے : ”کافر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ زندہ ہو گئے نہ کیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم دوبارہ ضرور زندہ کیے جاؤ گے پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو سب بتلا دیا جائے گا اور یہ موت کے بعد دوبارہ اٹھانا اللہ کے لیے بالکل آسان ہے“-[التغابن:7]۔ نیز تمام کتب سماویہ اس امر پر متفق ہیں۔

حسی دلیل سے منکرین بعث کا رد : اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں مردوں کو دوبارہ زندگی بخش کر اپنے بندوں کو اس چیز کا مشاہدہ کروادیا ہے، چنانچہ سورة البقرة ہی میں اس کی پانچ مثالیں مذکور ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلی مثال : قوم موسیٰ نے جب ان سے کہا کہ اے موسیٰ! ہم (تیری رسالت کا) ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو مار ڈالا، پھر ان کو دوبارہ زندگی بخشی۔ چنانچہ اسی واقعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ”اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا کہ اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان لائیں گے۔ پھر تم کو بجلی نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے تمہیں موت کے بعد ازسرنو زندہ کر دیا تاکہ تم شکرگزار بنو“۔ [البقرة: 55-56]۔ دوسری مثال : اس ”مقتول“ کی ہے جس کے ناحق مارے جانے کی ذمہ داری بنی اسرائیل میں سے کسی نے قبول نہ کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے اور اس کے ایک ٹکڑے کو میت پر مارنے کا حکم دیا تاکہ وہ انہیں اپنے قاتل کی خبر دے۔ اس قصہ کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ ”اور جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا پھر تم اس میں باہم جھگڑنے لگے اور جو بات تم چھپاتے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ پھر ہم نے کہا : اس مردے پر اس گائے کا کوئی ایک ٹکڑا مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی قدرت کے نمونے دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو“۔ [البقرة: 72-73]۔ تیسری مثال : اس قصے کی ہے جس میں بنی اسرائیل کی کئی ہزار افراد پر مشتمل ایک قوم موت کے خوف سے اپنی بستیوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (ان پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ موت سے کسی کو فرار حاصل نہیں ہے) ان سب کو موت کی نیند سلا دیا، پھر ان کو زندہ فرمایا۔ اس واقعہ کا تذکرہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں

فرمایا ہے: ”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے بھاگ نکلے تھے اور وہ ہزاروں (کی تعداد) میں تھے پھر اللہ نے ان کو حکم دیا کہ مرجاؤ، پھر ان کو زندہ کیا، بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے“۔ [البقرة: 243]۔ چوتھی مثال: اس قصے کی ہے جس میں ایک شخص کا گزر کسی ویران اور تباہ شدہ بستی پر سے ہوا، بستی کی حالت دیکھ کر اسے یہ حیرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس بستی والوں کو (روز قیامت) کس طرح زندہ فرمائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح بھی قبض کر لی اور اسے سو سال تک مردہ رکھا، پھر اس کو زندہ فرمایا۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: ”کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ایک بستی پر سے گزرا جس کے چہت گرے پڑے تھے کہا اللہ اس بستی والوں کو موت کے بعد کس طرح زندہ کرے گا؟ پھر اللہ نے اس کو سو برس مردہ رکھا، پھر اٹھایا اور اس سے پوچھا کہ تو کتنی دیر یہاں رہا؟ کہا ایک دن یا اس سے بھی کچھ کم اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تو سو برس فوت رہا پس اپنے کہانے پینے کو دیکھ کہ بگڑا تک نہیں اور اپنے گدھے کو دیکھ اور ہم نے لوگوں کے واسطے تجھے (اپنی قدرت کا ایک) نمونہ بنانا چاہا اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح ان کو ابھار کر جوڑ دیتے ہیں، پھر ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں پھر جب اس پر یہ سب کچھ ظاہر ہوا تو پکار اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے“۔ [البقرة: 259]۔ پانچویں مثال: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس قصہ کی ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے جسم کے ٹکڑے (آپس میں ملا کر) آس پاس کے پہاڑوں پر منتشر کر دینے اور پھر ان کو آواز دینے کا حکم دیا، چنانچہ تمام ٹکڑے ایک دوسرے سے جڑ کر دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا تذکرہ قرآن کریم میں

ان الفاظ میں فرمایا ہے: ”اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھ کو دکھلا دے کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا؟ (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ کیا تجھے اس بات پر یقین نہیں ہے؟ (حضرت ابراہیم نے) کہا کیوں نہیں؟ لیکن اپنے دل کے اطمینان کے لیے (چاہتا ہوں) (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ چار پرندے پکڑ کر ان کو اپنی طرف بلاؤ پھر (ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے) ان کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست اور حکمت والا ہے“ [البقرہ:260]۔

یہ چند ایسی حسی اور امرواقع مثالیں ہیں جو مردوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ ان واقعات سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو عطا کردہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنا اور انہیں (قبروں سے نکالنا) کی طرف بھی اشارہ کر چکے ہیں۔

عقلی دلائل سے ”منکرین بعث“ کا رد:

اول: بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں وزمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب کو پہلی بار (یعنی بغیر کسی وجود اور مثال سابق کے) پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو ہستی مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہو، وہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور وہی اللہ جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اسے بہت آسان ہے“۔ [الروم:27]۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ایک وعدہ ہے (جس کا پورا کرنا) ہم پر (لازم ہے) ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں“۔ [الانبیاء:104]۔ جن لوگوں نے بوسیدہ اور گلی ہوئی ہڈیوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا تھا ان کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”آپ کہہ دیجئے کہ وہی ان کو (دوبارہ) زندہ کرے گا جس نے ان

کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر چیز کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے۔“ [پس:79]۔ دوم : زمین بلاشبہ سخت بنجر اور مردار ہوتی ہے جس میں کوئی ہرا بھرا درخت نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس پر بارش برساتا ہے تو اس پر خوش خرم اور شادماں جوڑوں کی شکل میں سبزہ لہلہا اُٹھتا ہے تو وہ جو بنجر ہونے کے بعد اس زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مردوں کو دوبارہ زندگی بخشنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور (اے بندے) یہ اس کی قدرت کے نمونے ہیں کہ تو زمین کو دبی ہوئی (یعنی خشک) دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولنے لگتی ہے تو بے شک جس نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ [فصلت:39] اور ایک جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے: ”اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر ہم نے اس سے باغات اور کٹتے والے کھیت کے غلے پیدا کئے، اور کھجوروں کے بلند وبالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ (یہ سب کچھ) بندوں کو رزق دینے کے لیے (کیا ہے) اور ہم نے اس پانی سے مردہ بستی کو زندہ کر دیا (پس) اسی طرح (قیامت کے روز قبروں سے) نکلنا ہو گا۔“ [ق:9-11]۔

موت کے بعد پیش آنے والی تمام کیفیات پر ایمان یوم آخرت پر ایمان کو شامل ہے مثلاً :

(1) فتنۂ قبر : یعنی تدفین کے بعد میت سے اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کے متعلق سوال کیا جانا، تو اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ صحیح اور مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھے گا، چنانچہ فوت ہونے والا مومن جواب دے گا: ”میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام اور محمد ﷺ میرے نبی ہیں۔“ اس کے برعکس ظالموں کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے گا، چنانچہ کافر کہے گا: ”افسوس ہائے افسوس ! میں کچھ نہیں جانتا۔“ اور منافق یا دین میں شک کرنے والا کہے گا : ”میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں نے

بھی کہہ دیا۔“ قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں : ظالموں یعنی منافقین اور کافروں کے لیے ”عذابِ قبر“ مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”اور اگر آپ اس وقت کو دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم اللہ پر جھوٹی باتے کہتے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے“۔ [الأنعام:93]۔

اور آل فرعون کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ”جہنم کی آگ کہ جس پر وہ لوگ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہو گی (حکم ہوگا کہ) داخل کرو آل فرعون کو سخت سے سخت عذاب میں“۔ [غافر:46]۔

اور صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ تمہیں عذابِ قبر میں سے وہ سنا دے جو میں نے سنا ہے تو تم (ایک دوسرے کو) ہرگز دفن نہ کرو گے، پھر آپ نے فرمایا، عذابِ جہنم سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے کہا: ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم ظاہری اور پوشیدہ تمام آزمائشوں سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی تمام فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے کہا: ہم فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں“۔

جہاں تک ”قبر کی نعمتوں“ کا تعلق ہے تو یہ صرف سچے مومنوں کے لیے مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”یقیناً جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کرو، اور خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا“۔ [فصلت:30]۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ”پھر کیوں نہیں کہ جس وقت روح حلق تک آ پہنچی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اگر تم کسی کے حکم میں نہیں ہو تو اگر سچے ہو تو روح کو کیوں نہیں لوٹا لیتے؟ پھر اگر وہ مردہ مقربین میں سے ہے تو (اس کے لیے) راحت ہے خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں“۔ [الواقعة: 83-89]۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے مومن کے متعلق فرمایا کہ جب وہ اپنی قبر میں فرشتوں کے سوالات کا جواب دے چکے گا: ”تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارے گا کہ سچ کہا میرے بندے نے، پس اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ، اور اس کو جنت کا لباس پہناؤ، اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو، چنانچہ اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آنے لگے گی۔ اور اس کی قبر جہاں تک نگاہ جائے گی (وہاں تک) کشادہ کر دی جائے گی۔

منکرین برزخ کا عقیدہ اور اس کا رد: بدنیت اور منحرف لوگوں کا ایک گروہ گمراہی کا شکار ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس زعم میں قبر کے عذاب اور اس کی راحتوں کا انکار کیا کہ یہ ایک خلاف واقعہ اور ناممکن امر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر قبر کھول کر مُردے کی حالت کو دیکھا جائے تو وہ اسی حالت میں پایا جاتا ہے جس میں وہ دفن کیا گیا تھا نیز قبر میں کشادگی یا تنگی جیسی کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی۔

ایسا گمان شریعت، حس اور عقل کی رو سے باطل ہے۔

شریعت کی رو سے اس کا رد: یوم آخرت پر ایمان کے باب کی شق (ب) ”عذاب قبر اور اس کی نعمتیں“ میں عذاب قبر اور اس کی نعمتوں پر دلالت کردہ شرعی دلائل و نصوص گزر چکے ہیں۔

اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”نبی ﷺ مدینہ منورہ کے کسی باغ سے نکلے، تو آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا ”پھر پوری حدیث ذکر کی جس میں یہ ہے کہ ”ان میں سے ایک پیشاب سے صفائی نہیں رکھتا تھا“۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”اپنے پیشاب سے“ اور دوسرا شخص چغل خور تھا۔“

حسی اعتبار سے اس کا رد: سونے والا شخص کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ بہت وسیع، پر فضا اور خوش کن مقام پر ہے اور وہاں بہت سی نعمتوں اور راحتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے، یا وہ یہ دیکھتا ہے کہ وحشت ناک اور تنگ و تاریک جگہ پر ہے اور اس سے تکلیف محسوس کر رہا ہے، کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والا شخص اپنے خواب سے چونک کر بیدار ہوجاتا ہے، حالاں کہ وہ اپنے گھر کے کمرے میں اپنے ہی بستر پر لیٹا ہوتا ہے، اور نیند تو موت کی بہن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام "وفات" رکھا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ”اللہ (لوگوں کی) جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن کو موت نہیں آئی (ان کی روحوں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے) پھر ان جانوں کو جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے روک رکھتا ہے اور باقی جانوں کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے“۔ [الزمر:42]۔ عقلی اعتبار سے اس کا رد: سونے والا کبھی اپنے خواب میں واقع کے مطابق سچے خواب بھی دیکھتا ہے اور کبھی اصلی شکل و صورت میں نبی ﷺ کی زیارت بھی کر لیتا ہے اور جس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے اوصاف کے مطابق دیکھا بلاشبہ اس نے آپ ہی کو دیکھا، حالاں کہ سونے والا اس سے جسے وہ خواب میں دیکھتا ہے، اس سے بہت دور واقع اپنے کمرے کے بستر پر محو خواب ہوتا ہے۔ اگر یہ تمام چیزیں دنیاوی حالات میں ممکن ہیں تو احوال آخرت میں کیسے ناممکن ہو سکتی ہیں؟

جہاں تک ان کے اپنے اس دعوے پر اعتماد کا تعلق ہے کہ اگر قبر کو کھول کر مُردے کی حالت کو دیکھا جائے تو وہ اسی حالت میں نظر آتا ہے جس میں وہ دفن کیا گیا تھا، نیز قبر میں کسی قسم کی کشادگی یا تنگی بھی نظر نہیں آتی، تو اس کا جواب کئی ایک طرح سے دیا جا سکتا ہے :

اول : شریعت میں جو کچھ وارد ہے اس کا اس طرح کے باطل اور گمراہ کن شبہات کے ساتھ مقابلہ کرنا ہر گز جائز نہیں ہے۔ اور ان شبہات کے ساتھ شریعت پر اعتراض کرنے والا شخص اگر شریعت میں وارد نصوص و دلائل میں کما حقہ غور و فکر کرے تو اس پر ان شبہات کا بطلان واضح ہو جائے گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

”کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اپنے بیمار فہم و ادراک کی وجہ سے صحیح باتوں میں طعن و تشنیع اور عیب جوئی کرتے ہیں“

دوم : عالم برزخ کے احوال کا تعلق غیبی امور سے ہے، جس سے ان کا ادراک ممکن نہیں۔ اور اگر جس کے ذریعے سے ان کی حقیقت کا جاننا ممکن ہوتا تو ”ایمان بالغیب“ کا سرے سے کوئی فائدہ ہی باقی نہیں رہتا بلکہ اس طرح تو غیب پر ایمان لانے والے اور جو جان بوجہ کر اس کی تصدیق کے منکر ہیں، دونوں ہی برابر ہو جاتے۔

سوم : قبر میں عذاب و راحت یا کشادگی و تنگی کی کیفیات صرف میت ہی محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ان کیفیات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال بالکل اس شخص کے خواب کی سی ہے جو نیند کی حالت میں کوئی بے حد تنگ و تاریک اور وحشت ناک مقام، یا نہایت پر فزا، دلفریب اور کشادہ جگہ دیکھتا ہے، لیکن اس کے برعکس اس کے کمرے، اس کے بستر اور چادر میں سونے والا کوئی دوسرا شخص ان تمام تر کیفیات سے قطعی طور پر لا علم رہتا ہے۔ اس کی ایک اور واضح مثال یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی اور آپ اپنے

صحابہ کے درمیان موجود ہوا کرتے تھے لیکن وحی کو صرف آپ ﷺ ہی سن پاتے تھے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ وحی سنائی ہی نہیں دیتی تھی۔ اور کبھی تو فرشتہ انسانی شکل میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے گفتگو بھی کرتا تھا لیکن صحابہ کرام نہ اس فرشتے کو دیکھ پاتے تھے اور نہ ہی اس کی باتیں سن سکتے تھے۔ چہارم : مخلوق کی قوت ادراک محدود ہے۔ پس انسان صرف اسی قدر کسی چیز کی حقیقت کو پا سکتا ہے جس قدر کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قوت ادراک ودیعت فرمائی ہے۔ اس کے لیے ہر موجود شے کی حقیقت کو پانا ناممکن ہے، مثلاً ساتوں آسمان، زمین اور جو جو چیزیں ان میں موجود ہیں وہ سب حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان کرتی ہیں۔ اور کبھی کبھار اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے ان کی تسبیح و تحمید سنا دیتا ہے، اس کے باوجود یہ سب کچھ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اور اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے: ”ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف اور پاکی سب بیان نہ کرتی ہو۔ لیکن تم لوگ ان کی پاکی (تسبیح) سمجھتے نہیں ہو“۔ [الإسراء:44] اسی طرح شیاطین و جن زمین پر ادھر ادھر دندناتے پھرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جنوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئی، اور خاموشی سے آپ کی قراءت سنی اور مبلغ کی حیثیت سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئی اور وہ جماعت ان تمام چیزوں کے باوجود ہم سے پوشیدہ تھی اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے اولاد آدم! شیطان تمہیں کسی فتنہ میں مبتلا نہ کر دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا ان کے لباس ان (کے جسم) سے اتروادئے تاکہ ان کو ان کی شرمگاہیں دکھلائے، بے شک شیطان اور اس کا لشکر تم کو وہاں سے دیکھ لیتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے“۔ [الأعراف:27]

پس جب مخلوق ہر موجود شے کی اصل حقیقت کو نہیں پا سکتی تو اس کے لیے غیب کے ثابت شدہ اور ناقابل ادراک امور کا انکار قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔

K

تقدیر پر ایمان

”قدر“ (یعنی تقدیر) سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے سابقہ علم اور حکمت کے مطابق ساری کائنات کا ان کے وجود سے پہلے اندازہ اور فیصلہ کرنا ہے۔

تقدیر پر ایمان چار امور کو شامل ہے:

اول : اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ہر چیز سے اجمالاً اور تفصیلاً واقف ہے، اور خواہ اس کا تعلق خود اپنے افعال سے ہو، یا اپنے بندوں کے افعال و اعمال سے۔

دوم : اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لوح محفوظ (یعنی نوشتہ تقدیر) میں لکھ رکھا ہے۔ انہی دو امور کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”کیا تمہیں علم نہیں کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے بے شک وہ اللہ کے علم میں ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ سب ایک کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے یقیناً یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے“۔ [الحج:70]۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل ہی لکھ دی تھیں“۔

سوم : اس بات پر ایمان کہ تمام کائنات صرف اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہی وقوع پزیر ہے، خواہ اس کا تعلق خود باری تعالیٰ کے اپنے فعل سے ہو یا مخلوقات کے افعال و اعمال سے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فعل کے متعلق فرماتا ہے: ”اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے“۔ [القصص:68] اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا ہے: ”اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے“۔ [ابراہیم:27] اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے، تمہاری (شکل و)

صورت بناتا ہے۔“ [آل عمران:6] اور مخلوقات کے افعال و اعمال کے متعلق فرماتا ہے: ”اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا، پھر وہ تم سے لڑنے لگتے۔“ [النساء:90] ایک اور جگہ یوں ارشاد ہوا: ”اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا کام نہ کرتے، پس آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یوں ہی چھوڑ دیجیے۔“ [الأنعام:112]۔ چہارم : اس بات پر ایمان کہ پوری کائنات بشمول اس کی ذات، صفات اور حرکات سب، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: {اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا ذمہ دار و نگہبان ہے۔“ [الزمر:62] نیز ارشاد الہی ہے: ”اور اسی (اللہ) نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر سب کا (الگ الگ) اندازہ لگایا۔“ [الفرقان:2] اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ”تم کو اور جو چیزیں تم بناتے ہو ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“ [الصافات:96]۔

پیچھے ہم نے ”تقدیر پر ایمان“ کا جو وصف بیان کیا ہے وہ بندوں کے اختیاری افعال پر ان کو حاصل شدہ قدرت اور مشیئت کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ شریعت اور امر واقع دونوں ہی بندے کے لیے اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

شریعت سے ثبوت : مشیئت، (یعنی اپنی مرضی) کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”پس جو شخص چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا رکھے۔“ [النبا:39] اور ایک جگہ ارشاد الہی ہے: ”تو اپنی کھیتی میں جس طرف سے چاہو او“۔ [البقرة:223] اور مخلوق کی قدرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ”تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو) سنو اور (اس کی) اطاعت کرو۔“ [التغابن:16] ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت و اختیار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، تو جو نیکی اس نے کمائی ہے، اسکا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔“ [البقرة:286]۔ امر واقع سے ثبوت : ہر انسان جانتا

ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ مشیئت اور قدرت ضرور حاصل ہے جن کی وجہ سے وہ کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے میں بااختار ہے اور وہ کسی فعل کے ”ارادی“ مثلاً چلنے اور ”غیر ارادی“ مثلاً کانپنے، میں فرق کرتا ہے، لیکن کسی بندے کی مشیئت اور قدرت، اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور قدرت کے ہیتابح ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”(یہ قرآن) اسی کے لیے (مفید ہے) جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے اور تم اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے“۔ [التکویر: 28-29] چونکہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے لہذا اس کے دائرہ ملکیت میں کوئی چیز اس کے علم اور اس کی مشیئت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

”تقدیر پر ایمان“ کی جو تعریف ہم نے بیان کی ہے وہ کسی بندے کے لیے فرائض کو چھوڑنے یا نافرمانی کے ارتکاب کی اجازت کی دلیل نہیں بن سکتی، چنانچہ اس سے دلیل پکڑنا کئی اعتبار سے باطل ہے۔

اول : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”عنقریب مشرکین یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہی ہم کوئی چیز حرام کرتے، اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم لوگ تو صرف خیالی باتوں پر ہی چلتے ہو اور صرف اٹکل پچو ہی لگاتے ہو“۔ [الأنعام: 148] اگر تقدیر ان کے لیے حجت بن سکتا تو خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ ان کفار و مشرکین کو اپنی پکڑ کا مزہ نہ چکھاتا۔ دوم : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ لوگوں کے پاس ان رسولوں کے (آجانے کے) بعد اللہ تعالیٰ پر کس عذر اور الزام کا کوئی موقع باقی نہ رہے اور اللہ زبردست اور بڑی حکمت والا ہے“۔ [النساء: 165] اسی طرح اگر مخالفین کے لیے تقدیر دلیل بن

سکتی تو رسولوں کو بھیج کر ان کی ”حجت“ کو باطل نہ ٹھہرایا جاتا کیوں کہ پیغمبروں کو بھیجنے کے بعد اگر کوئی مخالفت وقوع پذیر ہوتی ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ تقدیر سے ہی واقع ہوتی ہے۔ سوم : امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ اللہ نے جنت یا جہنم میں لکھ دیا ہے یہ سن کر جماعت صحابہ میں سے ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ ! کیا ہم اسی پر بھروسہ نہ کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا : نہیں، عمل کرو کیوں کہ ہر ایک کے لیے آسان بنا دیا گیا ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی : ”تو جس نے دیا اور اللہ سے ڈرتا رہا“ [اللیل:5] یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔ اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں : ”ہر ایک کے لیے وہ کام آسان بنا دیا گیا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔“ پس معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے ”عمل“ کرنے کا حکم دیا ہے اور عمل کو چھوڑ کر صرف ”تقدیر“ پر ہی بھروسہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چہارم : بے شک اللہ تعالیٰ نے بندے کو اوامر پر عمل پہرا ہونے اور نواہی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کسی چیز کا ”مکلف“ نہیں ٹھہرایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”پس جہاں تک ہم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو“۔ [التغابن:16] ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا : ”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا“۔ [البقرہ:286] اگر بندہ کسی فعل کے انجام دہی پر مجبور ہوتا تو وہ ہر اس فعل کو انجام دینے کا بھی مکلف ہوتا کہ جس سے چھٹکارا پانے کی اس میں استطاعت نہیں ہے لیکن یہ چیز باطل ہے، لہذا اگر کسی سے جہالت، نسیان (بھول) اور اکراہ (زبردستی) کے سبب کسی معصیت کا کام سرزد ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہ ہو گا، کیوں کہ وہ معذور ہے۔

پنجم : اللہ تعالیٰ نے تقدیر کو پوشیدہ اور صیغہ راز میں رکھا ہے، چنانچہ کسی مقدر کی ہوئی بات کا علم، اس کے رونما ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب بندہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ پہلے سے جانتا ہے کہ وہ کس کام کا ارادہ رکھتا ہے، پس اس کے فعل کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق اس کے علم پر مبنی نہیں ہوتا۔ یہ چیز نافرمانی کے کاموں پر تقدیر سے استدلال کی نفی کرتی ہے، کیوں کہ جس چیز کا علم ہی نہ ہو وہ کسی امر کے لیے دلیل کیسے بن سکتی ہے؟

ششم : ہم دیکھتے ہیں کہ انسان دنیاوی معاملات میں ہر پسندیدہ اور نفع بخش شے کا حریص ہوتا ہے، اور جب تک اسے پانہ لے اس کا متمنی و متلاشی رہتا ہے جب کہ نا پسندیدہ یا غیر نفع بخش چیزوں کی طرف ہر گز نہیں پلٹتا، اور نہ پھر غیر نفع بخش چیزوں کی طرف پلٹنے کے لئے تقدیر سے دلیل پکڑتا ہے تو امور دین میں اس کے لیے جو چیزیں نفع بخش ہو سکتی ہیں ان کو چھوڑ کر تکلیف دہ چیزوں کی طرف اس کا پلٹنا اور پھر اس پر تقدیر سے استدلال کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ کیا ان دونوں (دینی اور دنیاوی) امور کا معاملہ یکساں نہیں ہے؟

اس چیز کی مزید وضاحت کے لیے ہم یہاں دو مثالیں پیش کرتے ہیں:

مثال (1) : اگر کسی انسان کے سامنے دو راستے ہوں جس میں سے ایک راستہ کسی ایسے شہر کی طرف نکلنا ہو جہاں بد نظمی، قتل و غارت گری، لوٹ مار، عصمت دری، خوف و ہراس اور بھوک کا راج ہو، اور دوسرا راستہ کسی ایسے شہر کی طرف جا کر ختم ہوتا ہو جہاں ہر طرف نظم و سلیقہ، امن و امان، عیش و آرام، آسودہ حالی، احترام آدمیت اور عزت و آبرو نیز اموال محفوظ ہوں، تو وہ کون سا راستہ اختیار کرے گا؟

ظاہر ہے کہ وہ دوسرا راستہ ہی اختیار کرے گا جو ایک ایسے منظم شہر پر جا کر ختم ہوتا ہے جہاں چاروں طرف امن و امان قائم ہو۔ جب کوئی بھی عقل مند شخص ”نوشتہ تقدیر“ کو حجت بنا کر کسی ایسے شہر کا راستہ ہرگز اختیار نہیں کر سکتا جہاں بد نظمی، خوف و ہراس اور لوٹ مار ہو، تو جو شخص امور آخرت میں سے خود جنت کا راستہ چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کرے تو کس طرح ”نوشتہ تقدیر“ کا سہارا لے سکتا ہے؟ مثال (2) : ہم دیکھتے ہیں کہ جب ڈاکٹر کسی مریض کو دوا پینے کا حکم دیتا ہے تو وہ اسے نہ چاہنے کے باوجود بھی پی لیتا ہے، اسی طرح جب وہ اسے کسی نقصان دہ غذا کے کھانے سے منع کرتا ہے تو وہ اسے چاہنے کے باوجود چھوڑ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مریض اپنی سلامتی اور شفا ہی کے لیے ہی ایسا کرتا ہے، چنانچہ ”نوشتہ تقدیر“ کو دلیل بنا کر ایسا ہرگز نہیں کرتا کہ اس نا پسندیدہ دوا کو پینے سے باز رہے یا ان غذاؤں کو استعمال کرتا رہے جو کہ اس کے لیے مضر اور نقصان دہ ہیں۔ پس یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو چھوڑ کر جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے، انہیں اپنائے اور پھر اس پر ”نوشتہ تقدیر“ سے دلیلیں لیتا پھرے؟ ہفتم : ”نوشتہ تقدیر“ کو دلیل بنا کر واجبات کو چھوڑنے، یا معصیت کے کام کرنے والے شخص پر اگر کوئی دوسرا شخص ظلم و زیادتی کرے اور اس کا مال و اسباب چھین لے، یا اس کی عزت کو پامال کرے، اور پھر ”تقدیر“ سے دلیل پکڑتے ہوئے یہ کہے کہ مجھے ملامت مت کرو کیوں کہ میرا ظلم و زیادتی تو محض اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے، تو وہ اس کی اس دلیل کو قطعاً قبول نہیں کرے گا۔ پس جب وہ ”تقدیر“ کی دلیل کو اپنے اوپر کیے جانے والے کسی دوسرے شخص کے ظلم و زیادتی کے لیے قبول نہیں کرتا، تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض میں اپنی کوتاہی اور زیادتی پر کس طرح اسے دلیل بناتا ہے؟

اس سلسلے میں ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک چور کا مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر ہاتھ قلم کرنے کی سزا کا حکم جاری فرمایا۔ اس نے عرض کی ”اے امیر المومنین! نرمی کیجیے کیوں کہ میں نے یہ چوری صرف اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کی تھی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہم بھی تو تیرا ہاتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی تقدیر سے کاٹ رہے ہیں۔“

تقدیر پر ایمان کے ثمرات :

اول : کسی ”سبب“ کو اختیار کرتے وقت اس سبب کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا، کیوں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ”قضا و قدر“ سے ہی ہوتی ہے۔

دوم : کسی مراد کے حصول کے وقت خود پسندی میں مبتلا نہ ہونا، کیوں کہ مراد کا حاصل ہونا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے جسے باری تعالیٰ نے خیر و کامیابی کے اسباب کے نتیجے میں ”مقدر“ فرمایا ہے، چنانچہ انسان کا خود پسندی میں مبتلا ہونا، اسے نعمت کے حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے غافل کر دیتا ہے۔

سوم : اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے مطابق جو کچھ بھی انسان پر گزرے اس پر مطمئن اور خوش رہنا، چنانچہ وہ کسی پسندیدہ چیز کے چھن جانے، یا کسی سختی سے دو چار ہونے، یا کسی نا پسندیدہ چیز کے واقع ہونے پر قلق و اضطراب کا شکار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک اور خالق ہے اور جو کچھ ”مقدر“ ہو چکا ہے وہ بہر صورت ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں، مگر پیشتر اس کہ تم اس کو پیدا کریں وہ ایک

خاص کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے، بے شک یہ کام اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر غم نہ کیا کرو اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے، اس پر اترا یا نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں فرماتا۔“-[الحديد:22-23]، اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”مومن کا معاملہ کتنا عجیب ہے۔ یقیناً مومن کے معاملے میں خیر ہی خیر ہے اور یہ سعادت مومن کے سوا اور کسی کو میسر نہیں ہے، چنانچہ اگر اسے کوئی خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ خوشحالی اس کے لیے باعث برکت و بھلائی بن جاتی ہے۔ اور اگر وہ کسی بد حالی اور تنگ دستی میں گرفتار ہوتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے تو وہ بد حالی اس کے لیے باعث خیر و برکت بن جاتی ہے۔“

تقدیر کے بارے میں دو گروہ گمراہی کا شکار ہوئے ہیں:

(1) جبریہ : جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اپنے ہر عمل پر مجبور محض ہے، اس میں اس کے اپنے ارادہ اور قدرت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

(2) قدریہ : جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اپنے ارادے اور قدرت کے ساتھ عمل میں خود مختار ہے اور اس کے عمل میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت (مرضی) اور قدرت کا کوئی اثر نہیں ہے۔

جبریہ کا نظریہ شریعت اور امر واقع دونوں کے ہاں مسترد ہے

اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے ارادے اور مشیئت کا اثبات کیا ہے نیز عمل کی نسبت بھی اسی کی طرف کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”تم میں سے بعض تو وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔“-[آل عمران:152]، اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے: ”اور (اے نبی) آپ کہہ دیجیے کہ حق بات تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے

اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیر رہی ہوں گی۔“-[الکھف:29]، اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ یوں ہے: ”جس شخص نے کوئی بھلائی کی، تو اس نے اپنے واسطے کی، اور جس نے برائی کی تو اس کا وبال بھی اسی پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“-[فصلت:46]۔

”جبریہ“ کی تردید امر واقع کی روشنی میں : ہر انسان اپنے ”اختیاری افعال“ جن کو وہ اپنے ارادے سے کرتا ہے، مثلاً: کھانا پینا اور خرید و فروخت کرنا وغیرہ، اور ”غیر اختیاری افعال“ جو اس پر بغیر ارادہ کے واقع ہو جاتے ہیں، مثلاً : بخار کی شدت سے اس کے جسم کا کانپنا، اور بلندی سے پستی کی طرف گرنا وغیرہ کے درمیان فرق سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ یاد رہے پہلی قسم، کے افعال کی بجا آوری میں فاعل (یعنی کرنے والا) اپنے ارادے میں خود مختار ہوتا ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہوتا، لیکن دوسری قسم کے افعال میں کسی کام کے وقوع پذیر ہوتے وقت بندہ نہ مختار ہوتا اور نہ ہی اس میں اس کے ارادے کا کوئی دخل ہوتا ہے۔

قدریہ کا نظریہ شریعت اور عقل دونوں کے ہاں مردود ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے اور ہر شے اسی کی مشیئت سے وقوع پذیر اور قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے کہ بندوں کے افعال صرف اسی کی مشیئت سے واقع ہوتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ”اور اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ ان (رسولوں) کے بعد ہوئے ہیں اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد باہم قتال نہ کرتے لیکن ان میں اختلاف پڑ گیا تو ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم لڑائی نہ کرتے، لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔“-[البقرہ:253]، ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص

کو ہدایت دے دیتے، لیکن میری طرف سے یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے (دونوں سے) ضرور بھر دوں گا۔“ [السجدة: 13]۔

”قدریہ“ کی تردید عقل کی روشنی میں : بے شک ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، چونکہ انسان بھی اسی کائنات کا ایک حصہ ہے، لہذا وہ بھی اللہ تعالیٰ کا غلام اور اُس کی ملکیت قرار پایا۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ”مملوک“ کے لیے مالک کے دائرہ ملکیت میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصرف کرنا ناممکن ہے۔

اسلامی عقیدے کے اہداف و مقاصد

لغت کے اعتبار سے ”ہدف“ کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے جن میں دو حسب ذیل ہیں:

1. ٹارگٹ جس کو نشانہ بازی کے لیے نصب کیا جائے۔
2. وہ شے جو کہ مطلوب و مقصود ہو۔

اسلامی عقیدے کے اہداف :

اسلامی عقیدے کے ساتھ مضبوط تعلق رکھنے کے مقاصد، اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی عالی شان غرض و غایات کثیر تعداد میں ہونے کے ساتھ ساتھ بے شمار اقسام پر مشتمل ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

اول : نیت و عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا، کیوں کہ وہی خالق ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں پس ضروری ہے کہ صرف اسی سے لو لگائی جائے، اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

دوم: اسلامی عقیدے سے خالی دل میں پیدا ہونے والی ہر قسم کی بے راہ روی سے عقل و فکر کا آزادی پانا، کیوں کہ جس کا دل اس سے خالی ہو وہ یا تو ہر عقیدے سے محروم اور صرف حسی مادی چیزوں کی ہی پرستش کرنے والا ہوتا ہے یا پھر عقائد کی گمراہیوں اور خرافات کا شکار ہو جاتا ہے۔

سوم : نفسی اور فکری سکون، اسلامی عقیدے کا حامل کسی نفسی اور فکری بے چینی کا شکار نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ عقیدہ اُس کے اور اس کے خالق حقیقی کے درمیان ایک مضبوط تعلق اور رابطہ ہے، چنانچہ وہ اپنے خالق کے رب، مدبر، حاکم اور شارع ہونے پر راضی ہو جاتا ہے، لہذا اس کا دل اپنے رب کی قضا و قدر سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے اسلام کی حقانیت کے بارے میں انشراح صدر حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ اسلام کا بدل تلاش نہیں کرتا۔

چہارم : اللہ تعالیٰ کی عبادت یا مخلوق کے معاملے میں قصد و عمل کے انحراف سے سلامت اور محفوظ ہونا کیوں کہ رسولوں پر ایمان لانا اسلامی عقیدے کی ایک ایسی اساس ہے جو قصد و عمل میں انحراف سے محفوظ انبیاء و رسل کے طریقے کو شامل ہے۔

پنجم : جملہ امور میں پختگی، سنجیدگی اور خوش بختی کیوں کہ مومن ثواب حاصل کرنے کے لیے عمل صالح کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح عذاب کے خوف سے وہ اپنے آپ کو گناہ کے مواقع سے بھی دور رکھتا ہے، کیوں کہ اس عقیدے کی اساس میں سے ایک بنیاد انسان کے دوبارہ زندہ کیے جانے، اور ہر اچھے برے اعمال کی جزا پانے پر ایمان لانے سے بھی متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے لحاظ سے درجات ہیں اور آپ کا رب ان اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔“ [الأنعام: 132] لوگوں کو اس مقصد کے حصول کے لیے نبی ﷺ نے کس قدر ابھارا ہے ملاحظہ ہو: ”قوی اور صاحب ہمت مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور پیارا ہے اور ہر مومن میں بہتری اور بھلائی ہے۔ پھر فرمایا اس چہز پر حرص کر جو تجھ کو نفع دے۔ اور اس کے لیے اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ بن۔ اور اگر تجھ پر کوئی مصیبت آجائے تو یوں مت کہہ کہ اگر میں نے فلاں کام یوں کیا ہوتا تو اس سے مجھ کو فلاں فلاں فائدہ حاصل ہوتا، بلکہ یوں کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے یوں ہی مقدر کیا تھا اور جو چاہا کیا، کیوں کہ ”لو“ یعنی ”اگر“ کا لفظ شیطان کے کام کا دروازہ کھولتا ہے۔“ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ششم : دین اسلام اور اس کے ستونوں کو پختہ اور ٹھوس بنانے کے لیے ایک ایسی مضبوط امت کی تشکیل کرنا جو اس کی خاطر ہر قسم کے ہلکے اور گراں قدر و قیمت اشیاء کو قربان کر دے اور اس کی راہ میں جو مصیبتیں بھی آئیں ان کی قطعاً پرواہ نہ کرے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”حقیقت میں مومن وہ تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر

انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے لڑے، یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں“۔ [الحجرات:15]۔ ہفتم : انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے ذریعے دنیا و آخرت کی سعادت، اجر و ثواب اور (اللہ تعالیٰ) سے انعام و اکرام حاصل کرنا، چنانچہ ارشاد الہی ہے: ”جو شخص کوئی نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت ہو اور وہ مومن (بھی) ہو تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی بخشیں گے اور (آخرت میں) اُن کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے“ [النحل:97]۔

یہ عقیدہ اسلامیہ کے چند اہداف و مقاصد ہیں، اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ انہیں ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے آسان بنائے، اور پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ وہ نہایت کرم و بخشش والا اور ربہت ہی سخی ہے۔ اور ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّم عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ.

یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔

بقلم مؤلف

محمد بن صالح العثیمین

فہرست

1	اسلامی عقیدہ کا مختصر تعارف.....
3	مقدمہ.....
Error! Bookmark not defined.....	
4	دینِ اسلام :
8	ارکانِ اسلام.....
12	اسلامی عقیدے کی بنیادیں.....
12	اللہ تعالیٰ پر ایمان.....
27	فرشتوں پر ایمان
33	کتابوں پر ایمان
35	رسولوں پر ایمان.....
41	یومِ آخرت پر ایمان.....
56	تقدیر پر ایمان
66	اسلامی عقیدے کے اہداف و مقاصد.....
69	فہرست